© rasailojaraid.com

قسط:۶

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد*

خدمتِ خلق: (عوامی رابطے)

عزیز بھراڑہ کے انتقال کے بعد خالد بن شہید ہم نونہال احراریوں کے سالار تھے۔ جن کی قیادت میں ہم اپنے ماحول کے مطابق اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ جماعتی کام بھی کرتے رہتے۔ جماعت کے رضا کار شہر میں خدمت خلق کے پروگرام بھی بناتے اور لوگوں کے معاشرتی و معاشی مسائل میں ان کے ساتھ مل کر انہیں حل کرنے کی کوشش میں ان کے ساتھ تعاون کرتے۔ ایک دفعہ مجھے یاد ہے کہ جماعت کے صدر ملک اللہ دتہ مرحوم و مغفور کو رات کے ایک جماعتی اجلاس میں کہا گیا کہ چنیوٹ ریلوے سٹیشن پر جب ٹرین رکتی ہے تو ہندو (کانگریس کے رضا کار) مسافروں کو ٹھنڈا پانی پلاتے ہیں۔ اور پورا سٹیشن ''ہندو واٹر، ہندو واٹر'' کی صداؤں سے گونج اٹھتا ہے۔ مسلمان مسافر بے چارے اس وقت پیاس کی شدت کو تو محسوس کرتے ہیں لیکن ''ہندو واٹر'' پینے سے پرہیز کرتے ہوئے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتے۔ اس لیے تجویز یہ ہے کہ ہمیں وہاں پر مسلمان مسافروں کو پانی پلانے کے لیے کوئی انتظام کرنا چاہیے۔ صدر جماعت نے اس تجویز کی تائید کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ کل سے احرار رضا کار وہاں پہنچیں اور مسلمان مسافروں کو ٹھنڈا پانی پلانے کا انتظام کریں۔ بس پھر کیا تھا رضا کاروں نے دوسرے روز کام شروع کر دیا۔ ''ہندو واٹر'' کے ساتھ جب ''مسلمان واٹر'' کی صدائیں بلند ہوئیں تو ایک عجیب سماں بندھ گیا۔ شہر کے لوگوں نے اس نیک کام کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے جماعت کی ہر ممکن مدد کی اور یہ سلسلہ برسوں تک گرمی کے موسم میں جاری رہا۔ اسی طرح اگر کسی محلے میں کسی دکان یا مکان کو آگ لگ جاتی تو رضا کار وہاں پر پہنچ جاتے۔ اور آگ بجھانے میں مدد کرتے۔ جماعت کی طرف سے یہ ہر رضا کار کو حکم تھا کہ محلے کے اندر اگر کسی گھر میں کوئی فرد نہیں تو اس کی سبزی ترکاری اور بازار سے سودا سلف لانے میں خواتین سے تعاون لیا جائے، ان سب کاموں میں جہاں مجلس احرار کے رضا کار شامل ہوتے وہیں ہم نونہال احراری بھی ان کے ساتھ ساتھ ہوتے۔

عید، بقرعید کے موقع پر شاہی منڈی سے مجلس احرار کی قیادت میں لوگ جلوس کی صورت میں عید کی نماز پڑھنے کے لیے جاتے۔ جس دن صبح عید ہوتی ہم ساری رات عیدگاہ کے راستے کو سجانے میں صرف کرتے۔ جگہ جگہ احرار گیٹ بنائے جاتے جن پر احرار کا پرچم لہرا رہا ہوتا۔ لوگوں کی زبان پر مجلس احرار کے رضا کاروں کا ذکر خیر ہوتا اور لوگ جماعت احرار کے ان کاموں کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہوئے ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے تو ہم رضا کار اس پر بڑی خوشی محسوس کرتے۔ عیدگاہ جانے والے جلوس کی قیادت ملک اللہ دتہ صدر مجلس احرار اسلام کرتے تھے۔ اسی طرح جب ۱۹۴۵ء میں شہر کے اندر ہیضے کی وبا پھیلی تو احرار رضا کار اس وقت بھی مستعد نظر آئے۔ ملک اللہ دتہ خود ہاتھ میں جھاڑو لے کر احرار رضا کاروں کے ساتھ شہر کی صفائی کرتے ہوئے جب نظر آئے تو لوگوں نے مجلس احرار اسلام زندہ باد کے نعرے لگائے۔ رضا کار نالیوں کو صاف کرتے اور پھر ان میں چونا

*نائب امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈالتے۔ تاکہ شہر میں صفائی بہتر ہو اور ہیضے کے جراثیم ختم ہوں۔ بلدیہ چنیوٹ کی غفلت پر اسے نشانہ تنقید بنایا جاتا۔ اور رات کے اجلاس میں احرار رضا کاروں کو امدادی کیمپ جو کہ اسلامیہ ہائی سکول کی نئی عمارت میں تھا کے بارے میں ہدایات دی جاتیں۔ شہر میں جب لوگ اپنے اپنے گھر چھوڑ کر چلے گئے تو اس وقت بھی احرار رضا کار ہی تھے جو شہر میں حسبِ معمول رات کو اکٹھے ہوتے اور اپنے دفتر شاہی منڈی میں حالات پر قابو پانے کے لیے مختلف نوعیت کی تجاویز کو زیرِ بحث لاتے۔

ہفت روزہ ''یادِ خدا'' کے صفحات ان دنوں مجلس احرار کی تعریف و توصیف سے بھرے ہوتے۔ جماعت کی سماجی خدمات پر اسے خراجِ تحسین پیش کیا جاتا۔ ''یادِ خدا'' خود اس صف میں سب سے آگے تھا جو بلدیہ کی غفلت اور صحت و صفائی کے سلسلے میں کوتاہی پر اسے نشانہ تنقید بناتا۔ ڈاکٹر عزیز علی ایڈیٹر ہفت روزہ ''یادِ خدا'' صفائی کی اس مہم میں مجلس احرار اسلام کے معاونِ اعلیٰ تھے۔ ان حالات کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس وقت مجلس احرار اسلام اور مسلمانوں کا جو گہرا تعلق ہمیں نظر آتا ہے اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ احرار رضا کار مسلمانوں کی ہر مشکل وقت میں ان کی ہر طرح کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ جس کے نتیجے میں شہر کی مسلم آبادی ان کی ان خدمات کو سراہتے ہوئے جماعت احرار کی ہر ممکن مدد کرتی۔ جماعت اور عام شہریوں کے درمیان یہ ایک ایسا ربط تھا جو انہیں یک جان کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت احرار کی طرف سے جتنی بھی تحریکیں چلائی گئیں ان میں چنیوٹ کا حصہ وافر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں جب تمام بڑے شہروں میں تحریک کو کچل دیا گیا تو صرف چنیوٹ شہر کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں یہ تحریک مارچ کے بعد اپریل تک بھی چلتی رہی۔ اسی طرح تحریک کشمیر ۱۹۳۰ء میں بھی اس شہر کے لوگوں نے جماعت احرار کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا تو اس لیے جماعت کا شہر سے ربط تھا۔

شہر میں جماعت احرار کے علاوہ ''خاکسار تحریک'' بھی متحرک تھی۔ ان کے رضا کار بھی خاکی وردی میں ملبوس شہر کی سڑکوں پر مارچ کرتے اور ان کے ہاں بھی خدمت خلق کے کام کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، اطاعتِ امیر، غلبۂ اسلام اور خدمت خلق یہ تینوں نصب العین ان کے ہاں سب سے اہم سمجھے جاتے تھے۔ جب وہ خاکی وردی میں پریڈ کرتے تو وہ بھی ایک ترانہ ساتھ پڑھتے تھے: ''تیز چل اے خاکسار وہ رہی منزل تیری'' ترانے کا مصرع اوّل ہوتا تھا۔ ان کے سالار محمد یوسف ایک انتہائی مخلص، محنتی اور دردِ دل رکھنے والے شخص تھے۔ جو اپنے رضا کاروں کو بھی لوگوں کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہنے کی ترغیب دے کر انہیں بیدار رکھنے میں ہر طرح سے کامیاب ثابت ہوئے۔ جمعہ کے روز شاہی مسجد کے باہر ایک طرف خاکساروں کی صف بندی ہوتی تو مسجد کی شمالی سمت میں مجلس احرار کے رضا کار صف میں کھڑے ہوتے۔ ادھر دُرّوں کی بارش کا منظر دیدنی ہوتا کہ وہ خدمت خلق سے غفلت برتنے والے خاکساروں کی سالار کے حکم پر دُرّے سے تواضع ہوتی دیکھ کر لوگ متاثر ہوتے کہ سالار کے حکم پر رضا کار دُرّے کھا رہے ہیں لیکن حکم کی تعمیل میں دُرّے کھا کے بھی اپنی کسی حرکت سے ناگواری کا کوئی تاثر نہیں دیتے کہ انہیں تو ہر حال میں امیر کے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ ادھر مجلس احرار کے رضا کار قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرنے اور نظمیں پڑھنے میں مصروف ہوتے۔ جماعتی نظم کو بہتر بنانے کے لیے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ پچھلے ہفتے کی کارروائی اور اگلے ہفتے کے پروگرام بھی زیرِ بحث آتے۔ اللہ بخش احراری کو سائیں حیاتؒ، خواجہ عبدالرحیم عاجز کی نظمیں جو انہوں نے قادیانیوں کے خلاف لکھیں اور عموماً احرار کے جلسوں میں پڑھی گئیں از بر تھیں اور جب وہ جمعہ کے اس اجتماع میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظمیں پڑھتا تو لوگ بڑے محظوظ ہوتے اور کبھی کبھی قادیانیت مردہ باد کے نعروں سے بھی فضا گونج جاتی۔

مسلم لیگ کا شہر چنیوٹ میں ابتدا میں تو کوئی نظم نہیں تھا۔ ۱۹۴۶ء، ۱۹۴۷ء میں ان کی تنظیم نظر آئی۔ مجھے یاد ہے کہ ماسٹر شیر محمد میاں مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے اور شیخ غلام محی الدین صدر تھے۔ لیکن عوام میں ان کی کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی تھی۔ ہاں جب خضر حیات کے خلاف تحریک چلی جو صرف ایک ہفتہ تک ہی محدود رہی کہ خضر حیات نے اپنی والدہ کے کہنے پر پنجاب کی وزارتِ اعلیٰ کے منصب سے استعفیٰ دے دیا جو مسلم لیگ کا اس وقت مطالبہ تھا تو اس وقت مسلم لیگ نیشنل گارڈ بھی بن گئی اور کچھ سرگرمیاں مسلم لیگ کی طرف سے سامنے آئیں۔

امیر شریعتؒ کی خدمت میں پہلی حاضری:

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کو ہم سے جدا ہوئے پچاس برس گزر چکے ہیں۔ اس سارے عرصے میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ اُن کی پُرکشش شخصیت کی گرفت ڈھیلی پڑی ہو یا پھر اُن کی شخصیت کا سحر کم ہوا ہو یا پھر یاد نہ رہے ہوں۔ اس بات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شخصیت کتنی عظیم، کتنی پُراثر اور کتنی پُرکشش تھی۔ بلکہ گزرنے والا ہر دن ہمیں ان کے زیادہ قریب کرتا جا رہا ہے۔ قحط الرجال کے اس دور میں جب ہم اپنے چاروں طرف ایسی کوئی دوسری شخصیت نہیں پاتے جو اتنی پُرکشش اور پُروقار ہو یا کم از کم اس کے قریب تر ہو تو پھر وہ اور زیادہ یاد آتے ہیں اور دل و دماغ کو تڑپا جاتے ہیں۔ غرضیکہ اُن کی جدائی میں گزرتے ہوئے یہ ماہ و سال ہمیں بجائے ان سے دور لے جانے کے اور نزدیک لے آتے ہیں

یوں دل نشیں ہوا ہے وہ روشن ضمیر شخص
جاتا نہیں ہے دل سے روایات کی طرح

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے تعلق خاطر میری زندگی کا وہ سرمایہ اور خوش نصیبی ہے کہ اس پر مجھے فخر و ناز بھی ہے کہ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے پاس بیٹھ کر آدمی ان کی شخصیت میں گم ہو کر نہ جانے کس کیفیت میں مبتلا ہو جاتا کہ اپنے آپ کی خبر ہی نہیں رہتی تھی۔

وہ حسین لمحہ کہ جب میرے قریب
لذتِ ہمسائیگی تھی میں نہ تھا

وہ ہر لحاظ سے ایک بلند و بالا شخصیت تھی ’’شاید اب کوئی نہ سمجھے گا کہ کیسا تھا وہ‘‘ والی بات ہے بقولِ شورش ’’شاہ جی سمجھنے کی نہیں پیار کرنے والی شخصیت ہیں‘‘ انہوں نے اللہ کی مخلوق سے بے پناہ محبت کی ہے اور محبت بھی اللہ کی رضا کے لیے۔ کسی کا دل توڑنا کسی کو رنج پہنچانا، کسی کے لیے اذیت کا باعث بننا ان کے مسلک کے مطابق سب سے بڑا گناہ تھا۔ ان کے قریب آنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ جتنا شاہ جی اسے چاہتے ہیں اور کسی کو نہیں چاہتے اور جتنا میں ان کے قریب ہوں وہ اور کسی کے قریب نہیں ہیں۔ جس شخص نے انہیں جتنا قریب سے دیکھا وہ ان سے اتنا ہی متاثر ہوا۔ پھر یہ تاثر عارضی نہیں بلکہ دائمی اور مستقل ہے اور یہی بات ان کے خلوص اور ان کی انسانوں کے ساتھ دلی محبت کی بھی غماز ہے۔ جس کا بیّن ثبوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ آج بھی جب ان کے جاننے والے اوران کے پاس بیٹھنے والے لوگ ان کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہونے لگتی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے ہم نے انہیں کیوں اور کس سبب کے باعث اتنا چاہا کہ آج ان کی فرقت میں تڑپ تڑپ جاتے ہیں اور بے اختیار لبوں پر اسلم انصاری کے یہ شعر آ ہی جاتے ہیں

کہاں گئے وہ جنوں آشنا وہ دیوانے
بڑے اُداس ہیں یارو خرد کے ویرانے
عجب سزا ہے تری مختصر رفاقت کی
بھرے جہاں میں اکیلے ہیں تیرے دیوانے

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے زندگی میں پہلی دفعہ چنیوٹ میں اس وقت دیکھا جب میں چھے سات برس کا بچہ تھا۔ الٰہی بخش شہید (تحریکِ کشمیر ۱۹۳۰ء) کے بیٹے جوان کی شہادت کے بعد پیدا ہوئے میرے ساتھ تھے۔ وہ مجھ سے دو برس بڑے تھے۔ ہم دونوں احرار یونی فارم میں ملبوس تھے۔ مجھے یاد ہے شاہ جی نے ہمیں بہت پیار کیا اور ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔ وہ اس وقت الٰہی بخش شہید کو جو احرار کی تحریکِ کشمیر ۱۹۳۰ء کے پہلے شہید تھے کا ذکر کر کے ان کی جرأت اور بہادری کو اپنے معیار کے الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے اور ہم ان کے چہرے کی طرف ٹک ٹک دیکھ رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک مہتابِ مجسّم انسان کی شکل میں آسمان سے زمین پر اتر آیا ہے۔ شاید چاند میں بھی وہ عنائی نہ ہو جو اس متکلم چاند میں موجود تھی۔ آپ سے اس پہلی ملاقات کا اثر آج تک میرے دل و دماغ کی گہرائیوں میں محفوظ ہے اور وہ کیفیت میرے وجدان، میرے دل و دماغ کی گہرائیوں میں موجود ہے ایسی کیفیت، ایسا سرور شاید میں اپنے الفاظ میں بیان نہ کرسکوں فقط محسوس کرتا ہوں۔ شاید کیفیت نام ہی ایسی شے کا ہے جو الفاظ کے نرغے سے ماوریٰ ہو۔

وہ ماوریٰ نرغۂ الفاظ شخص تھا

دوسری ملاقات:

دوسری ملاقات بھی تقسیم ملک سے پہلے چنیوٹ میں ہی ہوئی تھی۔ جب ۱۹۴۶ء کا انتخابی یدھ اپنے پورے عروج پر تھا۔ وہ چنیوٹ تشریف لائے تو مجلس احرارِ اسلام کا جلسہ عام شاہی مسجد کے عقب میں شاہی منڈی میں ہوا تھا۔ خان مظہر نواز خان درّانی آپ کے ہمراہ تھے، انہیں وہ ملتان سے ساتھ لائے تھے۔ وہ سٹیج پر آپ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ مظہر نواز درّانی احرار کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شاہ جی کی تقریر سے پہلے خواجہ عبدالرحیم عاجز مرحوم نے جنہیں میں نے پہلی دفعہ دیکھا تھا مخصوص انداز میں اپنی پنجابی نظم پڑھی تھی

لڑناں لڑناں احرار نے الیکشن والا جنگ

بے پناہ مجمع تھا لیکن اتنی ہی خاموشی تھی۔ سب کی نظریں امیر شریعتؒ پر لگی ہوئی تھیں آپ نے حسب معمول آخری تقریر کی۔ یہ تقریر اگر چہ بظاہر انتخابی تقریر تھی لیکن انتخابی تقریر تو کم تھی۔ انتخاب کے بارے میں مختصر بات ہوئی، انگریز اور انگریز کے ٹوڈی خصلت سیاست دانوں کو زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں انگریز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دشمنی کا پودا کاشت ہوا اور آج اللہ کے فضل و کرم سے جب میں بوڑھا ہو چکا ہوں، انگریز دشمنی کا یہ پودا ایک تناور درخت بن کر جوان ہو چکا ہے۔ ساری عمر جو کچھ پڑھا اور جو کچھ بھی میرے مشاہدے اور تجربے میں آیا وہ سب کچھ اس بات کی تائید میں ہے کہ اس دھرتی پر ملّت اسلامیہ کا اور امّتِ محمدیہ کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہی ہے جس سے خیر کی توقع بلکہ اس کا تصور بھی گناہِ عظیم ہے۔ امیر شریعتؒ نے بھی اپنے تجربے کی بنیاد پر یہ کہا تھا کہ:

''اگر میں اپنی آنکھوں سے کسی شخص کو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے آسمان سے اترتا ہوا دیکھوں اور یہ شخص آبِ زمزم سے غسل کرتا ہو، غلافِ کعبہ کا لباس زیب تن کرتا ہو لیکن اس کے کسی قول یا فعل سے مجھے انگریزوں کی اطاعت کی بو آ جائے تو اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایسے شخص کی مخالفت کرنا میں اپنا جزوِ ایمان سمجھتا ہوں۔ یہ ظالم کم گہرے پانی میں دھکا دیتا ہے ہاتھ پکڑ کر باہر نکالتا ہے، اعتماد بحال کرتا ہے اور پھر گہرے پانی میں دھکا دیتا ہے، لعنت بر پدرِ فرنگ''

یہی وجہ ہے کہ جو کچھ بھی آپ نے اپنی زندگی میں کہا تھا وقت کے ساتھ ساتھ درست ثابت ہو گیا اور ان کے اس وقت کے نکتہ چیں آج اُن کے خوشہ چیں ہیں۔

ہے حقیقت بس وہی جو تو نے کر دی تھی بیاں
اور سب کچھ وقت کی آنکھوں میں تھا مثلِ سراب
تجھ پر جو الزام تھا رد ہو گیا ہے وقت سے
تیرے نکتہ چیں ہوئے ہیں شرم سے اب، آب آب

اس دفعہ بھی شاہ جی کا قیام اسلامیہ ہائی سکول چنیوٹ میں تھا۔ جب وہ اسلامیہ سکول کی طرف جا رہے تھے تو پورا بازار ان کا دیدار کرنے والے لوگوں سے بھر گیا تھا۔ لوگ باری باری آتے اور ان سے مصافحہ کرتے آپ ہر ایک کو مسکرا کر ملتے۔ ایسے میں آپ کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس کو لوگوں کی بھیڑ آپ تک آنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ کوشش کرتا لوگ اسے دھکیل کر پرے کر دیتے، آپ نے کہا کہ دیکھو بھائی اب میں کسی سے مصافحہ نہیں کروں گا، انہیں میری طرف آنے دو، راستہ دو۔ لوگ آگے سے ہٹ گئے درمیان میں ایک راستہ بن گیا اس شخص کا نام عطا محمد تھا۔ آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا۔ بڑے طمطراق سے لوگوں کے درمیان سے شاہ جی تک پہنچے، شاہ جی نے مصافحہ کے بعد انہیں گلے سے لگایا، پانچ چھ منٹ تک نہ جانے کیا باتیں اس سے کرتے رہے اور اس کے بعد دوسرے لوگوں سے مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ آپ کا یہی اندازِ دلربائی تھا کہ لوگ آپ پر فریفتہ ہو جاتے اور آپ کے ایک حکم پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہو جاتے۔ قید و بند تو بعد کی بات ہے۔ قدرت نے انہیں ان تمام خوبیوں سے نوازا تھا جو کہ ایک قائد میں ہونی چاہییں۔ علامہ اقبال نے ان خوبیوں کو کس خوبصورتی صرف ایک شعر میں جمع کر دیا ہے

نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

میرے خیال کے مطابق سخن کے دل نواز ہونے کی خوبی باقی دونوں خوبیوں پر بھاری ہے۔ اگر گفتگو میں محبت اور چاشنی نہ ہو تو پھر نگاہ کی بلندی اور جاں کی پرسوزی کام نہیں آتی۔ دونوں خوبیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں لیکن کمال تو یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیر شریعت کی شخصیت میں یہ تینوں خوبیاں بیک وقت اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمادیا: ''کہ اے میرے محبوب اگر تیری گفتگو میں چاشنی نہ ہوتی تو لوگ تیرے قریب بھی نہ آتے''

بات امیر شریعت کی چنیوٹ میں آمد پر ہو رہی تھی۔ آپ کا قیام اسلامیہ ہائی سکول کے بڑے کمرے میں تھا۔ جہاں ہر وقت لوگوں کا ایک تانتا بندھا رہتا۔ کچھ لوگ آپ کی محفل میں آتے جاتے رہتے اور محفل اپنے عروج پر رہتی۔ میں بھی وہاں موجود رہتا تھا اور اپنی بساط کے مطابق محفل سے لطف اندوز اور مستفیض ہوتا۔ نہ جانے وہ کیا جاذبیّت تھی جو محفل سے اٹھنے ہی نہیں دیتی تھی۔ شاہ جی کی گفتگو میں بلا کی چاشنی، مٹھاس اور محبت تھی۔ لوگ شاہ جی کی باتوں پر سر دھنتے تھے۔ اس محفل میں بھی بعض اوقات تقریر جیسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ کبھی سنجیدہ گفتگو کرتے تو لوگوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے اور جب کبھی ہنسنے ہنسانے پر آجاتے تو ارد گرد بیٹھنے والے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جایا کرتے۔

ایک مرتبہ آپ کی محفل میں سر سکندر وزیر اعلیٰ پنجاب کا ذکر آیا مجھے یاد ہے کہ شاہ جی فرمارہے تھے:

''میں نے زندگی میں کسی کے لیے بددعا نہیں کی۔ میری عادت ہے میں لوگوں کی زیادتیاں معاف کر دیا کرتا ہوں۔ یہ بات میری فطرت کے خلاف ہے کہ میں کسی سے ذاتی انتقام لوں۔ میری دوستی اور دشمنی اللہ کی رضا ہی کے لیے ہے لیکن اگر میں نے زندگی میں کسی کے لیے بددعا کی تو وہ سکندر حیات کے لیے (اور اس جیسے دو تین اور آدمیوں کے لیے) سکندر حیات انگریز کا ٹوڈی تھا اس نے انگریز کے باغی مسلمانوں پر جھوٹے مقدمے بنائے اور انہیں ظالمانہ سزائیں دلوائیں۔''

اس بددعا کا اثر لوگوں نے دیکھا کہ سردار شوکت حیات دوسری جنگِ عظیم میں فوج میں بھرتی ہوا اور جرمنی میں گرفتار کر لیا گیا۔ انگریز نے بڑی کوشش کے بعد کئی جرمنی قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں سردار شوکت حیات کو رہا کرایا۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ جس دن امیر شریعت سکندر حیات کی سازش سے قائم کیے گئے مقدمے سے رہا ہوئے ان دنوں ہی سردار شوکت حیات جرمنی میں قید ہوا۔ غالباً امیر شریعت کا ہی تبصرہ تھا:

''قربان جایئے اللہ تعالیٰ کے جب یہ فقیر کا بیٹا قید سے رہا ہوا تو امیر (سر سکندر حیات کا بیٹا) قید ہو گیا۔ اور پھر یہی سردار شوکت حیات جس دن دلہا بن کے اپنی شادی کی تقریب میں مصروف تھا اسی دن سر سکندر حیات کی موت سے شادی والا گھر ماتم کدے میں تبدیل ہوا۔ جہاں خوشی کے ترانے گائے جا رہے تھے وہاں سر سکندر حیات کی موت پر نوحہ خوانی شروع ہو گئی۔ اس کے بعد اس خاندان کے مرد و زن جن حالات کا شکار ہو کر زندگی سے موت تک پہنچے وہ ایک الگ داستان ہے۔

شاہ جی جب بھی چنیوٹ تشریف لاتے مجھے خبر ہو جاتی۔ کیونکہ ان کی قیام گاہ اور جلسہ گاہ میرے گھر کے قریب ہی تھی۔ پھر شاہی بازار اور محلے کے احرار رضا کاروں کے ساتھ میرا ہر وقت رابطہ قائم رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے شاہ جی کے آنے کے پروگرام کا مجھے پہلے ہی پتہ چل جاتا تھا۔ شاہ جی جب بھی چنیوٹ تشریف لاتے تو آپ کی فرمائش ہوتی کہ مجھے سعید کے پکے ہوئے چنے جو انتہائی لذیذ ہوتے تھے کھلاؤ اور کہیں سے بخش الٰہی کو ڈھونڈ کے لے آؤ۔ چونکہ میں رضا کاروں میں سب سے چھوٹا تھا اس لیے کاموں کے لیے مجھے ہی کہا جاتا تھا۔ چنے کی دکان قریب ہی مسلم بازار میں ہوتی تھی آسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام تھا میں بڑی خوشی سے جا کر لے آتا۔لیکن بخش الٰہی کو ڈھونڈھ کر لانے کا کام ذرا مشکل تھا۔

بخش الٰہی (مجذوب)

بخش الٰہی ہمارے شہر کا ایک مشہور مجذوب تھا۔چنیوٹ کی شیخ برادری سے ان کا تعلق تھا۔بخش الٰہی اپنی حالت میں مست گلیوں اور بازاروں میں اکثر گھومتا رہتا تھا۔کوئی اس کا مستقل ٹھکانہ تو نہ تھا گھر میں وہ ٹکتا نہیں تھا۔کبھی کبھی لوگ اسے تقریر کے لیے کہتے تو وہ بازار میں کسی دکان کے تھڑے پر کھڑا ہو کر تقریر شروع کر دیتا۔تقریر میں مسلمانوں کو ان کی غیرت و حمیت کا احساس دلاتا اور بے پردہ خواتین کی مذمت کرتا۔تقسیم ملک کے بعد جب قادیانی اس وقت کے ''ربوہ'' موجودہ ''چناب نگر'' آباد ہوئے تو پھر وہ اپنی تقریر میں مرزائیت کے خلاف بہت کچھ کہہ جاتا،لوگ اس کی تقریر سن کر اسے داد دیتے اور وہ اس پر خوش ہو کر کسی اور بازار کی سمت چلا جاتا۔کبھی کبھی اپنے گھر کی چھت پر بھی کھڑے ہو کر تقریر کیا کرتا تھا۔لوگ اس کے ارد گرد کھڑے ہو کر بڑے شوق سے اس کی تقریر کو سنتے تھے۔اور کہتے کہ ہے تو مجذوب مگر باتیں درست کرتا ہے۔

شاہ جی جب بھی چنیوٹ تشریف لاتے بخش الٰہی سے ضرور ملاقات کرتے۔نہا دھو کر جب تشریف فرما ہوتے تو بخش الٰہی کو تلاش کرنے کا کہتے، یہ فریضہ بھی عموماً مجھے ادا کرنا پڑتا۔عجیب اتفاق ہے کہ جب میں اس کی تلاش میں نکلتا تو سوچتا کہ گھر میں وہ بیٹھتا نہیں ہے،اسے کیسے تلاش کروں؟ وہ نہ جانے کہاں ہوگا؟ اور میں کہاں مارا مارا پھرتا پھروں گا۔مجھے یہ کام مشکل معلوم ہوتا تھا۔لیکن اس کے بعد ہوتا یہ تھا کہ وہ مجھے قریب ہی کہیں مل جاتا اور میں خوشی سے اچھل کر اسے کہتا: ''اُو بخش الٰہی،سید عطاء اللہ شاہ بخاری آئے ہوئے ہیں۔تجھے بلاتے ہیں'' وہ عجیب انداز میں میری طرف دیکھتا اور پھر ہنس کر کہتا: ''ہاں ہاں چلو چلو بخارا بخارا، یار ہے اپنا یار ہے'' بخاری کی بجائے وہ ہمیشہ شاہ جی کو بخارا کہتا۔اور کبھی کبھی بخارا زندہ باد بھی کہتا۔میں اسے لے کر فوراً شاہ جی کے پاس پہنچ جاتا۔شاہ جی جب اسے دیکھتے تو اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور اس سے بغل گیر ہو کر بڑے اہتمام سے ملتے۔بڑے انہماک کے ساتھ اس سے گفتگو فرماتے تھے۔یہ گفتگو بھی بڑی عجیب ہوتی۔سوال گندم جواب چنا کی مصداق شاہ جی کچھ کہتے وہ کچھ اور کہہ دیتا،کبھی کبھی سر ہلا کر فقط ہاں،ہاں ہی جواب میں کہتا۔بہر حال یہ گفتگو بھی پُر لطف ہوتی۔پھر یہ بخش الٰہی،شاہ جی کی ہر تقریر میں موجود ہوتا تھا۔آپ کی پوری تقریر سنتا تھا۔لوگ اس پر حیران ہوتے کہ مجذوب آدمی جس کو کسی لمحے چین نہیں کئی گھنٹے مسلسل بیٹھ کر شاہ جی کی تقریر کیسے سن لیتا ہے۔

ایک مرتبہ تو میں بہت حیران ہوا کہ شاہ جی نے ''ماڑی انڈس'' گاڑی سے رات کے ایک بجے چنیوٹ پہنچنا تھا۔میں بھی ضد کر کے رضا کاروں کے ہمراہ رات کو ریلوے سٹیشن پر چلا گیا۔کیا دیکھتا ہوں کہ بخش الٰہی ہم سے پہلے ہی پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا۔میں نے اسے دیکھتے ہی کہا بخش الٰہی شاہ جی آ رہے ہیں۔جواب اس کا وہی تھا:

''ہاں ہاں بخارا بخارا، یار ہے اپنا یار ہے'' بخش الٰہی بازار میں کبھی کبھی سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعرے بھی لگاتا۔کبھی لوگوں کے کہنے پر اور کبھی خود بخود اور کسی دوسرے لیڈر کا نام لے کر اگر اسے کہا جاتا تو وہ خاموش رہتا اور جواب تک نہ دیتا۔بلکہ مردہ باد بھی کہہ دیتا تھا۔یعنی اس کے خیال میں صرف سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہی زندہ باد تھے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔(جاری ہے)

© rasailojaraid.com